مکتوبِ گرامی مولانا عبدالماجد دریابادی بنام ڈاکٹر اسرار احمد

" تحسینِ ناشناس ! "

مکتوب مولانا عبدالماجد دریابادی

بنام

مدیر میثاق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

'صدق جدید' — مورخہ : ۱۱ نومبر ۱۹۶۸

دریا باد ضلع بارہ بنکی

صاحب من ، السلام علیکم

میثاق ، بابت نومبر پیش نظر ہے : صفحہ ۱ تا صفحہ ۱۳ ، تحسین ناشناش کا ڈر نہ ہوتا تو دل نے تو بے اختیار یہ صلاح دی کہ اس ساری عبارت پر ایک خوب بڑا سا صاد

ص

کھینچ کر بھیج دیجئے ۔ سبحان اللہ ، ما شاء اللہ ۔ ع

'دل نے یہ جانا کہ یہ سب کچھ ہی میرے دل میں تھا !'

حیرت ہوگئی ، کہ شبلی ، فراہی ، ابوالکلام ، تینوں کی یہ نباضی ، بعد زمانی و بعد مکانی دونوں کے باوجود ، اتنی صحیح کیونکر کرلی ! ع

' در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید ! '

ڈاکٹر رفیع الدین کا بھی مقالہ اس نمبر میں بڑا قابل داد ہے ۔

والسلام

دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد"

© rasailojaraid.com

● یہود نے عہدِ صدیقی رضؓ میں جس سازش کا بیج بویا تھا،
آتش پرستانِ فارس کے جوشِ انتقام نے اسے تناور درخت بنا دیا

● وہ آج بھی قاتل خلیفۂ ثانی ابو لؤلؤ فیروز مجوسی کی قبر کو متبرک سمجھتے ہیں

● علی مرتضیٰ رضؓ کی طرح حضرت حسین رضؓ بھی قاتلینِ عثمان رضؓ کی سازش کا شکار ہوئے۔

● سیدالشہداء کون ہیں اور شہیدِ مظلوم کون؟

تاریخی حقائق کو سمجھنے کے لیے

امیر تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

کی دو جامع اور مختصر مگر عام فہم اور محققانہ تاریخی کتابوں
کا مطالعہ کیجیئے:

① **سانحہ کربلا**: حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی عزیمت وعظمت کی صحیح تصویر

② **شہیدِ مظلوم**: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب اور آپکی مظلومانہ شہادت کے بیان پر جامع تالیف

دونوں کتابوں کے سیٹ کی مجموعی قیمت صرف -/۹ روپے (سستا ایڈیشن -/۴)
قریبی بکسٹال سے طلب کیجئے یا ہم سے منگوائیے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶-کے ماڈل ٹاؤن لاہور
فون نمبر: ۸۵۲۶۸۳

(Saeed)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

(۶)

حکمتِ اقبال

اقبال کا مقامِ عظیم

تعلیم نبوّت اور فلسفہ کا یہ اتصال انسان کے علمی ارتقا کا ایک بہت بڑا واقعہ ہے جو نوعِ انسانی کو ترقّی کے ایک نئے دَور میں داخل کرتا ہے اور اقبال اس دَور کا نقیب ہے اس واقعہ سے اس عالمگیر ذہنی انقلاب کا آغاز ہوتا ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اور جس کے نتیجہ کے طور پر مسلمان قوم دنیا میں غالب ہوگی اور عالمِ انسانی امن اور اتحاد کی دولت سے مالا مال ہوگا۔ اس واقعہ سے حقیقتِ انسان کا علم جس پر انسان کے دائمی امن اور اتحاد کا دارومدار ہے پہلی دفعہ ایسی منظّم صورت میں سامنے آیا ہے جو دَورِ حاضر کے انسان کو مطمئن کر سکتی ہے اور جو اس کی عالمگیر مقبولیّت کی ضامن ہے۔ اقبال مسلمانوں کو نہایت زوردار الفاظ میں "عشق" اور "زیرکی" کی جس آمیزش کی دعوت دیتا ہے وہ خود ہی اس کا آغاز کرتا ہے اور اس طرح سے خود ہی "عالمِ دیگر" کی بنیاد رکھتا ہے۔ گویا اقبال آئندہ کے اس عالمگیر ذہنی انقلاب کا نقیب ہی نہیں بلکہ بانی بھی ہے جس کے بعد اور کوئی ذہنی انقلاب نہیں آسکے گا لہٰذا اقبال آئندہ کی مستقل عالمگیر ریاست (WORLD – STATE) کا وہ ذہنی اور نظریاتی بادشاہ ہے جس کی بادشاہت کو زوال نہیں۔ ایک معمولی آدمی کے لیے جو رسول نہیں بلکہ رسولؐ کا ایک ادنیٰ غلام ہے عظمت کا یہ مقام اس قدر بلند ہے کہ اس سے بلند تر مقام ذہن میں نہیں آسکتا۔ اقبال اپنے اس مقام سے آگاہ ہے یہی سبب ہے کہ وہ بار بار اپنے اشعار میں کہتا ہے کہ اسے زندگی کے راز سے آشنا کیا گیا ہے آج تک کسی شخص نے کائنات کے وہ اسرار و رموز بیان نہیں کیے جو اس نے بیان

© rasailojaraid.com

کیے ہیں۔اس کی حکمت معانی اور حقائق کے بیش قیمت موتیوں کی ایک لڑی ہے جس کی کوئی نظیر آج تک پیش نہیں کی گئی۔ اگرچہ وہ ایک ذرہ ہے لیکن سورج کی روشنی سے ہمکنار ہے۔ علم و حکمت کے نور کی سینکڑوں صبحیں اس کے گریبان میں روشن ہیں اس کی خاک جام جم سے زیادہ منور ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ آنے والے دور میں کیا ہونے والا ہے۔اس کے فکر کی رسائی ان حقائق تک ہوئی ہے جو ابھی دوسرے لوگوں پر آشکار نہیں ہوتے۔

چشمۂ حیواں براتم کردہ اند | محرم رازِ حیاتم کردہ رند
ہیچ کس رازے کہ من گویم نگفت | ہمچو فکرِ من درمعنی نہ سفت
ذرہ ام مہرِ منیر آنِ من است | صد سحر اندر گریبان من است
خاکِ من روشن تر از جام جم است | محرم از نازاد ہائے عالم است
فکرم آں آہو سر فتراک بست | کو ہنوز از نیستی بیرون نجست

سر آمد روزگار ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید

عمرہا در کعبہ و بت خانہ مے نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

وہ جانتا ہے کہ اگرچہ آج کا انسان اپنی علمی بے مائیگی اور روحانی پس ماندگی کی وجہ سے پوری طرح اس کی قدر دانی نہ کر سکے گا تاہم مستقبل میں پوری نوع بشر اس کے افکار کو اپنائے گی اور اس کی فکری قیادت کو قبول کرے گی وہ تنہا نہیں رہے گا بلکہ سینکڑوں کارواں اس کے ہمراہ ہوں گے، وہ صبح عنقریب نمودار ہونے والی ہے جب لوگ جہالت کی نیند سے اٹھیں گے اور محبت کی اس آگ کے ارد گرد جو اس نے روشن کی ہے۔ آگ کے پجاریوں کی طرح ذوق و شوق سے جمع ہوں گے وہ مستقبل کے شاعر کی آواز ہے اور ایسا نغمہ ہے جسے زخمہ ور کی حاجت نہیں اور جو ہر حالت میں بلند ہو کر رہے گا۔ اس کا کلام ایک عالمگیر انقلاب اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے جب یہ انقلاب آئے گا تو لوگ اس کے اشعار پڑھ پڑھ کر جھومیں گے اور کہیں گے کہ یہ وہ مرد خود آگاہ ہے جس نے دنیا کو بدل دیا ہے:

.com

عصرِ من دانندۂ اسرار نیست — یوسفِ من بہرِ ایں بازار نیست
نغمۂ من از جہانِ دیگر است — ایں جرس را کاروانے دیگر است
نغمہ ام از زخمہ بے پرواستم — من نوائے شاعرِ فرداستم
بچشمِ کم مبین تہی میم را — کہ من صد کارواں گل در کنارم
قلزمِ یاراں چو شبنم بے خروش — شبنمِ من مثلِ یم طوفاں فروش
انتظارِ صبح خیزاں مے کشم — اے خوشا زرتشتیانِ آتشم

پس از من شعرِ من خوانند و دریابند و می گویند
جہانے را دگرگوں کرد یک مردِ خود آگاہے

اقبال کی خودستائی ٹھوس علمی حقائق ہیں

اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اقبال کے اس قسم کے اشعار محض خودستائی کے جذبات یا شاعرانہ تعلّیات پر مشتمل نہیں بلکہ ایسے ٹھوس حقائق کو بیان کرتے ہیں جو مضبوط علمی اور عقلی بنیادوں پر قائم ہیں جو اس کے فلسفہ کا جزو لاینفک ہیں اور جن کا اظہار اس کے لیے خود اپنے فلسفہ کی تشریح کے لیے ضروری تھا اگر اقبال ان کا اظہار نہ کرتا تو اس کا فلسفہ نا تمام رہ جاتا اور یہ ایک ایسی فروگذاشت ہوتی جس کی وجہ سے اقبال کی قوم ایک حد تک اس کے فکر کی معقولیت اور اہمیت سے نا آشنا رہ جاتی۔

اقبال کا امتیاز

اس کے جواب میں شاید یہ کہا جائے گا کہ اگر آج تک کوئی غیر مسلم فلسفی ایسا نہیں ہوا جو نبوّت کاملہ کے تصوّرِ حقیقت پر اپنے فلسفہ کی بنیاد رکھتا ہو تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے لیکن اگر اقبال سے پہلے کوئی ایک بھی مسلمان فلسفی گزرا ہے تو اس کے فلسفے کی بنیاد لازماً خدا کے اسلامی تصوّر پر ہوگی تو پھر اقبال کی خصوصیت کیا ہے پھر کیوں نہ اس مسلمان فلسفی کو نوعِ بشر کا آخری

© rasailojaraid.com

فلسفی اور آئندہ کے عالمگیر ذہنی انقلاب کا بانی قرار دیا جائے اور پھر اس سلسلہ میں شاید شاہ ولی اللہ اور محیؔ الدین عربی ایسے اکابرِ اسلام کا نام لیا جائے۔ لیکن اس زمانے کے خاص ذہنی حالات اور خاص علمی ماحول اور مقام کی بناپر اقبال کے فلسفہ کو جو خصوصیات حاصل ہوئی ہیں وہ آج سے پہلے کسی مسلمان فلسفی کے فلسفہ کو حاصل نہ ہوسکتی تھی اور نہ حاصل ہوسکی ہیں۔

اقبال کے امتیازی مقام کی وجوہات

پہلی بات تو یہ ہے کہ اقبال کے اس زمانہ میں حکمائے مغرب کی تحقیق و تجسّس کی بدولت علم کے تینوں شعبوں یعنی طبیعات، حیاتیات اور نفسیات میں علمی حقائق نے اس سرعت سے ترقی کی ہے کہ اس سے پہلے اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ یہ ترقی سائنس کے اس خاص اسلوبِ تحقیق کی وجہ سے ممکن ہوئی ہے جو اشیاء کے خواص و اوصاف کے مشاہدہ کی بناپر پوری احتیاط کے ساتھ صحیح صحیح علمی نتائج مرتب کرنے پر زور دیتا ہے۔ یہ اسلوبِ تحقیق سب سے پہلے خود مسلمانوں نے قرآن کی راہ نمائی میں ایجاد کیا تھا لیکن محققین یورپ نے اس سے متواتر کام لیا اور اس کو اس کا میٹھا پھل علمی حقائق کے ایک بیش بہا ذخیرہ کی صورت میں جسے ہم سائنس کہتے ہیں دستیاب ہوا ہے پھر اس دور میں علمی تحقیق و تجسّس کی کامیاب تحریک انسان اور کائنات کو ایک کل یا وحدت کی حیثیت سے سمجھنے کی مختلف کوششوں میں نمودار ہوئی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اس زمانہ میں بہت سے فلسفے وجود میں آئے ہیں جن میں سے ہر ایک نے دریافت شدہ علمی حقیقتوں کو حقیقتِ عالم کے کسی تصوّر کے ساتھ ان کے مرکز یا محور کے طور پر وابستہ کرنے کی کوشش کی ہے یہ الگ بات ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے حقیقت عالم کا غلط تصوّر قائم کیا ہے اور اس کے اردگرد حقائق علمی کی تنظیم بھی غلط طور پر کی ہے۔ سائنس کے خاص اسلوبِ تحقیق کی وجہ سے فلسفہ کی دنیا میں ایک نیا طرزِ استدلال وجود میں آیا ہے جس میں اس بات پر بالخصوص زور دیا جاتا ہے کہ کوئی حقائق نظر انداز نہ ہونے پائیں۔ حقائق کا معائنہ کامل احتیاط سے کیا جاتے اور نتائج وہی اخذ کیے جائیں جو ناگزیر ہوں اور یہ طرزِ استدلال علمی دنیا میں آئندہ کے لیے ایک مستقل حیثیت اختیار کرچکا ہے۔ اقبال نے ایک

.com

عرصہ تک یورپ میں رہ کر تعلیم پائی ہے اور اس دوران میں جیسا کہ وہ خود کہتا ہے وہ یورپ کی علمی ترقیات اور حکمتِ مغرب کی خصوصیات سے پوری طرح متاثر ہوا ہے۔

خرد افزود مرا درسِ حکیماں فرنگ

سینہ افروخت مرا صحبتِ صاحب نظراں

علمی تحقیق و تجسّس کی اروپائی تحریک نے اقبال کو بھی آمادہ کیا ہے کہ وہ انسان اور کائنات کو ایک کل کے طور پر سمجھے لیکن اقبال کی یہ آمادگی اس کے مخصوص نفسیاتی ماحول کی وجہ سے مغرب کے باطل فلسفوں میں ایک اور غلط مشرقی فلسفہ کے اضافہ کا موجب نہیں ہوئی بلکہ ان باطل فلسفوں کے خلاف اور ان فلسفوں کے زہر سے انسانیت کو بچانے کے لیے ایک مہربان قدرت کے مفید اور کامیاب ردّ عمل کی صورت اختیار کر گئی ہے بالکل اسی طرح جیسے کہ ایک جسم حیوانی کے اندر ایک مہلک مرض کے جراثیم کے داخل ہونے ترقی پانے اور زہر پیدا کرنے کے بعد جسم حیوانی کے نمو اور تحفظ کے لیے کارفرما ہونے والی قوّت حیات ایک ردِ عمل کرتی ہے اور ضد سرایت (ANTI TOXIN) مواد پیدا کر کے جراثیم کی ہلاکت اور جسم انسانی کی صحت کا اہتمام کرتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اقبال کے ذریعہ سے قدرت نے ایک ایسے فلسفہ کو نمودار کیا ہے جس کی روشنی میں نہ صرف مغرب کے موجودہ غلط فلسفوں کی نامعقولیت آشکار ہو جاتی ہے بلکہ جس کے اندر قیامت تک پیدا ہونے والے تمام غلط فلسفوں کا کافی اور شافی جواب اور ابطال بالقوہ موجود ہے۔ لہٰذا یہی فلسفہ ہے جو آگے چل کر پوری نوعِ انسانی کا فلسفہ بننے والا ہے۔ قدرت کی عادت ہے کہ جب انسانوں کی قدرتی بدنی یا روحانی ضروریات کی تشفی میں کوئی شدید رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے تو وہ اپنی مہربانی سے اس رکاوٹ کو دور کرنے اور از سرِ نو انسانوں کی بدنی اور روحانی پرورش کے لوازمات مہیا کرنے کے لیے ایک معجزانہ قدم اٹھاتی ہے اسی عادت کی وجہ سے جسم حیوانی مرض کے خلاف ردّ عمل کر کے صحت مند ہوتا ہے اور اسی کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے کہ جب غلط نظریات اور تصوّرات اشاعت پذیر ہو کر عالمِ انسانی کو غلط راہوں پر لیے جا رہے ہیں تو اس میں ایسے داناؤں مفکروں اور راہنماؤں کا ظہور ہوتا ہے جو ان غلط تصوّرات کا ابطال کر کے انسانیت کو زندگی کے صحیح راستوں

© rasailojaraid.com

پر واپس لاتے ہیں۔

اقبال کا مخصوص نفسیاتی ماحول

اقبال کے مخصوص نفسیاتی ماحول نے ممکن بنایا ہے کہ وہ اپنے فلسفہ کی بنیاد حقیقتِ کائنات کے صحیح تصوّر پر رکھے اس نفسیاتی ماحول میں اس کا مسلمان ہونا اور پھر مسلمانوں میں بھی تصوف، زہد اور ریاضت کا ذوق رکھنے والے ایک خاندان کا فرد ہونا، اربابِ نظر اور اہلِ دل بزرگوں کی صحبت سے شغف رکھنا اور اس کی جستجو کرنا حتیٰ کہ اس کے حصول کے لیے کسی موقع کو نظر انداز نہ کرنا اس سے متواتر مستفید ہوتے رہنا، عربی اور فارسی کے علوم اور اسلام کے علماء حکماء اور صوفیاء کی کتابوں کے مطالعہ کا ذوق رکھنا ایسے عناصر شامل ہیں۔ اس ماحول نے اسے نبوّت کے عطا کیے ہوئے صحیح تصورِ کائنات کے وجدان سے آشنا ہی نہیں کیا بلکہ اس تصوّر کے حسن و جمال کے ایک طاقتور قلبی احساس یا عشق کو بھی پروان چڑھایا ہے۔

خرد افزود مرا درسِ حکیمانِ فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبتِ صاحب نظراں

یہی سبب ہے کہ وہ کہتا ہے:

مے نہ روید غم دل از آب و گل،
بے نگاہے از خدا دندان دل

اقبال بنیادی طور پر ایک صوفی یا درویش ہے شاعر یا فلسفی نہیں

افسوس ہے کہ اقبال کے غیر مبہم الفاظ میں بار بار کہنے کے باوجود ہم بالعموم اس بات کو نظر انداز کر جاتے ہیں کہ گو اقبال ایک شاعر بھی ہے اور ایک فلسفی بھی تاہم بنیادی طور پر وہ نہ فلسفی ہے اور نہ شاعر بلکہ ایک درویش یا صوفی ہے اس کا شاعرانہ کمال اور اس کا حکیمانہ جوہر دونوں اس کے وجدان یا عشق کے خدمت گزار ہیں۔ اس کی ساری ذہنی کاوشوں کا حاصل یہ ہے کہ اس نے فلسفہ کی معروف اور دورِ حاضر کے انسان کے لیے قابلِ فہم زبان میں اپنے روحانی تجر

یا عشق کی ترجمانی کی ہے اور اس عمل کے دوران میں جو فلسفیانہ افکار و تصوّرات اس کے ہاتھ لگے ہیں ان کو شعر کے زوردار اور پُر اثر طرزِ بیان کا جامہ پہنایا ہے۔ دوسرے شاعروں کی طرح محبّتِ مجاز کی داستانوں اور غزلوں سے سننے والوں کا دل لبھانا اس کا مدعا نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ شاعر کے لقب کو جو بعض وقت اس کے نادان دوست اس پر چسپاں کرتے ہیں بڑے زور سے ردّ کرتا ہے:

نہ پنداری کہ من بے بادہ ستم
مثالِ شاعراں افسانہ بستم
مدار امید زاں مردِ فرد دست
کہ بر من تہمتِ شعر و سخن بست

نغمہ کجا و من کجا سازِ سخن بہانہ ایست
سوئے قطار مے کشم ناقۂ بے زمام را

او حدیثِ دلبری خواہد زمن — رنگ و آبِ شاعری خواہد زمن
کم نظر بے تابیِ جانم ندید — آشکارم دید و پنہانم نہ دید

اقبال مولانا سلیمان ندوی کو اپنے ایک خط مورخہ ۴ اگست ۱۹۱۳ء میں لکھتے ہیں:

"مَیں نے کبھی اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھا۔ فنِ شاعری سے مجھے کبھی دلچسپی نہیں رہی۔ ہاں بعض مقاصدِ خاص رکھتا ہوں جن کے بیان کے لیے اس ملک کے حالات اور روایات کی رُو سے میں نے نظم کا طریقہ اختیار کر لیا ہے:

نہ بینی خیر ازاں مردِ فرو دست
کہ بر من تہمتِ شعر و سخن بست"

اسی طرح اپنے ایک خط مورخہ ۲۷ ستمبر ۱۹۱۳ء میں خواجہ حسن نظامی کو لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

"آپ کو معلوم ہے کہ میں اپنے آپ کو شاعر تصور نہیں کرتا اور نہ کبھی بحیثیت فن کے اس کا مطالعہ کیا ہے۔ پھر میرا کیا حق ہے کہ میں صفِ شعراء میں بیٹھوں۔"

اوپر یہ ذکر کیا گیا ہے کہ کس طرح سے اقبال اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ تمام ایسے فلسفے جو خدا کی محبت یا بالفاظِ دیگر حقیقتِ کائنات کے صحیح تصور سے عاری ہوں اور لہٰذا حقیقت کے غلط یا ناقص تصورات پر مبنی ہوں بے ہودہ اور بیکار ہیں اگر اقبال خود خدا کی محبت سے بہرہ ور نہ ہوتا تو ممکن نہیں تھا کہ وہ کبھی اس قیمتی حکیمانہ نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے اور یہ ہمارا قیاس ہی نہیں بلکہ خود اقبال کا دعویٰ بھی ہے کہ اسے روحانیت کا ایک درجہ اور معرفت حق تعالیٰ کا ایک مقام عطا کیا گیا ہے اس درجۂ معرفت اور مقامِ محبّت کو وہ افروزشِ سینہ سوز درون۔ ذوقِ نگاہ۔ بادۂ ناب وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرتا ہے اور اپنے لیے درویش، فقیر، قلندر ایسے القاب استعمال کرتا ہے جو صوفیا کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔

خرد افزود مرا درسِ حکیمانِ فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبتِ صاحب نظراں

درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر میرا نہ دلی نہ صفاہاں نہ سمرقند

سر آمد روزگارِ ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید نہ آید

قلندر جز دو حرفِ لاالٰہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہِ شہر قارون ہے لغت ہائے حجازی کا

---

d.com

اے پسر ذوقِ نگاہ از من بگیر
سوختن در لاالہ از من بگیر

مرے کدو کو غنیمت سمجھ کہ بادۂ ناب
نہ مدرسہ میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے

از تب و تابم نصیبِ خود بگیر   بعد من ناید چو من مرد فقیر

عصرِ حاضر را خرد زنجیر پاست
جانِ بیتابے کہ من دارم کجاست
عجمی مردے پر خوش شعرے سرود   سوزد از تاثیر او جان در وجود

جوہرِ انسانی کے اوصاف و خواص

جہاں اقبال کے نفسیاتی ماحول نے اُسے خدا کی محبّت سے بہرہ ور کیا ہے وہاں اس کے جدید علمی ماحول نے اسے اس قابل بنایا ہے کہ انسان کے انفرادی اور اجتماعی افعال و اعمال کے متعلق اپنے ان نظریات اور معتقدات کی علمی اور عقلی بنیادوں کو معلوم کر سکے جو اسے قرآن سے دستیاب ہوئے ہیں۔ اس علمی ماحول کی وجہ سے اس پر یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ یہ نظریات اور معتقدات جوہرِ انسانی کے قدرتی اوصاف و خواص پر مبنی ہیں۔ وہ جوہرِ انسانی کو خودی کی حکیمانہ اصطلاح سے تعبیر کرتا ہے اور ایک سائنس دان کی طرح روزمرّہ کے مشاہدات کی روشنی میں اس کے عملی اثرات و نتائج کا جائزہ لیتا ہے اور ان کی روشنی میں اس کے قدرتی اور ازلی اور ابدی اوصاف و خواص کی تشریح کرتا ہے۔ یہ محض اتفاق کی بات ہے اور یہ اتفاق علمی اور عقلی نقطۂ نظر سے قرآن حکیم کی صداقت کی دلیل ہے کہ یہ اوصاف و خواص قرآن کی تعلیما

© rasailojaraid.com

کے عین مطابق ہیں یہی وجہ ہے کہ اقبال کا فلسفۂ خودی ایک طرف سے انسان کی سائنس ہے اور دوسری طرف سے قرآنِ حکیم کی تفسیر ہے جس طرح سے ہم کارل مارکس کے فلسفہ کو اس تصور سے الگ نہیں کر سکتے کہ کائنات کی حقیقت مادہ ہے۔ اس طرح سے ہم اقبال کے فلسفہ کو اس تصوّر سے الگ نہیں کر سکتے کہ کائنات کی حقیقت خدا ہے۔ خدا کی ان صفات کے ساتھ جو نبوتِ کاملہ کی تعلیمات ——— میں بیان کی گئی ہیں۔ اقبال کی حکمت میں خدا کا اسلامی تصور جو اسے اس مخصوص نفسیاتی ماحول سے ملا تھا محض ایک عقیدہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک ایسی علمی حقیقت کے طور پر پیش ہوا ہے جو انسانی جوہر کے اوصاف و خواص سے ایک ناگزیر نتیجہ کے طور پر اخذ ہوتی ہے اور جس کے ڈانڈے تمام دوسرے علمی اور عقلی تصوّرات یعنی طبیعات، حیاتیات اور نفسیات کے حقائق سے جا ملتے ہیں نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اقبال کے ہاں حقیقتِ انسان کا مسئلہ فقط وحی کی روشنی میں ہی نہیں بلکہ جدید علمی حقائق کی روشنی میں اور جدید طرزِ استدلال کی مدد سے حل ہوا ہے۔ اقبال کی حکمت میں یہ بات پہلی دفعہ آشکارا ہوئی ہے کہ خدا کا تصور تمام علمی حقائق کے ساتھ اور انسان کی زندگی کے تمام ضروری شعبوں کے ساتھ کیا علمی اور عقلی مناسبت رکھتا ہے اور اس تصوّر کی یہ مخفی استعداد کہ صرف کائنات کے تمام موجودہ اور آئندہ حقائق کی معقول تشریح اور مکمل تنظیم کر سکتا ہے علمی تحقیق و تجسّس کے دائرہ میں آگئی ہے اور یہ مذہب اور علم دونوں کی بہت بڑی ضرورت ہے۔

مذہب ایک سائنس کب بنتا ہے

مذہب انسان و کائنات کے متعلق کچھ معتقدات کو ضروری سمجھتا ہے اور بتاتا ہے کہ یہ معتقدات کون سے ہیں اور کیوں ضروری ہیں، اور کون سے اور کیسے اعمال کا تقاضا کرتے ہیں۔ مذہبی معتقدات کے لیے جس حد تک کہ وہ صرف مذہبی معتقدات ہیں یہ ضروری نہیں کہ علمی حقائق کے ساتھ مطابقت بھی رکھیں یا علمی اور عقلی معیاروں کی رُو سے درست بھی ثابت ہو سکیں سائنس بھی حقیقتِ انسان و کائنات کے متعلق کچھ معتقدات پیش کرتی ہے اور ہم جان لیتے ہیں کہ یہ معتقدات ہماری زندگی کے مقاصد کے پیشِ نظر کون سے اور کیسے اعمال کا تقاضا کرتے

ہیں لیکن سائنس کے معتقدات اشیاء کے قدرتی اوصاف وخواص پر مبنی ہوتے ہیں اور تجربات اور مشاہدات سے معلوم کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا وہ علمی حقائق کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں اور علمی اور عقلی معیاروں کے مطابق درست تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اگر کسی وقت اشیاء کے اوصاف اور خواص کے علم کی ترقی کی وجہ سے کسی مذہب پر ایک دَور ایسا آجائے کہ اس کے معتقدات بھی اشیائے کے قدرتی اوصاف اور خواص پر مبنی ہو جائیں تو پھر وہ مذہب سائنس بن جاتا ہے اور اس میں اور سائنس میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ اقبال پہلا مسلمان فلسفی ہے جس نے بتایا ہے کہ مذہب اسلام کے معتقدات ایک خاص چیز کے قدرتی اوصاف وخواص پر مبنی ہیں جن کے علم کی طرف انسانی زندگی کے وہ حقائق جو مشاہدات پر مبنی ہیں راہ نمائی کرتے ہیں اور وہ چیز انسانی انا یا خودی ہے لہٰذا اقبال کے فلسفہ میں مذہبِ اسلام ایک سائنس کی صورت اختیار کر گیا ہے اور یہی اقبال کی سب سے بڑی علمی خدمت ہے۔ اسلام کا یہ قدم جو آگے کو اُٹھ چکا ہے اب واپس نہیں آسکتا بلکہ اسی سمت میں اس سے بھی اگلے قدموں کی طرف راہ نمائی کرے گا۔ اب آئندہ جو بھی حقائق علمی دریافت ہوتے جائیں گے۔ اسلام کی سائنس کے عناصر بنتے جائیں گے۔ اب اس بات کی ضرورت نہیں رہی کہ اسلام کو ایک نظامِ افکار کی شکل دینے کے لیے تصوف کے ان مفروضات کا سہارا لیا جائے جو قرونِ وسطیٰ کے صوفیوں نے ایجاد کیے تھے اور جنہیں اب تک حکمتِ اسلام کے عناصر خیال کیا جاتا رہا ہے۔ اقبال خود لکھتے ہیں:

> "اب اسلام قرونِ وسطیٰ کے اس تصوّف کی تجدید کو روانہ رکھے گا جس نے اس کے پیرؤوں کے صحیح رجحانات کو کچل کر ایک مبہم تفکر کی طرف اس کا رُخ پھیر دیا تھا اس تصوّف نے گزشتہ چند صدیوں میں مسلمانوں کے بہترین دماغوں کو اپنے اندر جذب کر کے سلطنت کو معمولی آدمیوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا تھا۔ جدید اسلام اس تجربہ کو دہرا نہیں سکتا۔ اسلام جدید تفکر اور تجربہ کی روشنی میں قدم رکھ چکا ہے اور اب کوئی ولی یا پیغمبر بھی اس کو قرونِ وسطیٰ کے تصوف کی تاریکیوں کی طرف واپس نہیں لے جا سکتا۔"

© rasailojaraid.com

اصطلاح خودی کی برکتیں

جوہرِ انسانی کے لیے خودی کی حکیمانہ اصطلاح کو کام میں لانے سے فطرتِ انسانی کے صحیح اسلامی تصور کے ساتھ علمی حقائق کی مطابقت علمی تحقیق اور عقلی محاکمہ کے دائرہ میں آگئی ہے اور اقبال کے فلسفہ میں یہ صلاحیت پیدا ہوگئی ہے کہ حال اور مستقبل کے تمام صحیح علمی حقائق کو اپنے اندر جذب کر سکے چونکہ خودی کا تصور صحیح ہے اور سائنسی حقائق کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ جن حقائق کو سائنسدان تجربات اور مشاہدات کے ایک طویل عمل کے بعد دریافت کرتا ہے۔ اقبال ان کو بلا دقّت اور نہایت آسانی کے ساتھ خودی کی فطرت سے اخذ کرتا ہے اس قسم کے تصورات میں سے ایک ارتقا کا تصور ہے جس کا سبب (CAUSE) اقبال کے ہاں خودی کی فطرت سے ماخوذ ہے اور جس کا طریقہ بھی ہم نہایت آسانی کے ساتھ خودی کی فطرت سے اخذ کر سکتے ہیں۔

اس بیسویں صدی میں علم کے ہر شعبہ میں سچی علمی حقیقتوں کی تعداد یہاں تک ترقی کر گئی ہے کہ جب ہم حکمتِ اقبال کے اندرونی تصوّرات کو ایک عقلی یا منطقی ترتیب کے ساتھ آراستہ کرنے کی کوشش کریں اور اس سلسلہ میں ان حقیقتوں کو اس ترتیب کے خلاؤں کو پُر کرنے کے لیے کام میں لانا چاہیں تو علمی حقیقتوں کی کوئی ایسی کمی محسوس نہیں کرتے جو ہماری کوششوں کو کامیابی سے باز رکھ سکے۔ بلکہ ہماری کوششیں یہاں تک کامیاب ہوتی ہیں اور خلاؤں کی تعداد اور طوالت یہاں تک کم ہو جاتی ہے کہ ترتیب سچ مچ ایک مسلسل عقلی یا منطقی نظام کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور پھر یہ کام اس بنا پر اور آسان ہو جاتا ہے کہ سچی علمی حقیقتوں کے موجودہ ترقی یافتہ مواد ہی سے بعض ضروری علمی حقیقتیں اقبال کی حکمت کے اندر خود اقبال کے ہاتھوں سے پہلے ہی داخل کر دی گئی ہیں۔ ان اندرونی حقیقتوں کی وجہ سے اقبال کی حکمت کے ساتھ بیرونی علمی حقیقتوں کی علمی اور عقلی مناسبت اور مطابقت نہایت آسانی کے ساتھ واضح ہو گئی ہے جس سے اس حکمت کے اندرونی حصّوں کو بیرونی حصّوں کے ساتھ جوڑنے کا کام آسان ہو گیا ہے۔

.com